Publication Information

الاسوۃ ریسرچ جرنل

AL-USWAH Research Journal

Publisher: Institute of Dialog and Research, Islamabad
E-ISSN: 2790-8771 P-ISSN: 2790-8763
Vol.03, Issue 01 (January-June) 2023
https://idr.com.pk/ojs3308/index.php/aluswa/index
HEC Category "Y"

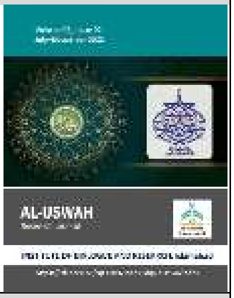

Title

یہودی اور رومی تہذیبی کشمکش کا تحقیقی جائزہ

Translation:

A Research Review of the Jewish-Roman Civilization Conflict

Author

Mian Faizan Ahmed
Ph.D. Scholar, Department of Comparative Religion and Islamic Culture
University of Sindh Jamshoro
Email: faizan.arain@scholars.usindh.edu.pk
ORCid: https://orcid.org/0000-0002-2751-1711

Samina Ghafoor
M.Phil. Scholar, Department of Islamic Studies
National College of Business Administration & Economics, Lahore
Email: zimalaliphd2020@gmail.com
ORCid: https://orcid.org/0000-0003-1509-1710

How to Cite:

Mian Faizan Ahmed, and Samina Ghafoor. 2023. " یہودی اور رومی تہذیبی کشمکش کا تحقیقی جائزہ: A Research Review of the Jewish-Roman Civilization Conflict". AL-USWAH Research Journal 3 (1). https://idr.com.pk/ojs3308/index.php/aluswa/article/view/36.

Copyright Notice:
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 3.0 License.

OPEN ACCESS

Category Y

یہودی اور رومی تہذیبی کشمکش کا تحقیقی جائزہ

A Research Review of the Jewish-Roman Civilization Conflict

Mian Faizan Ahmed
Ph.D. Scholar, Department of Comparative Religion and Islamic Culture
University of Sindh Jamshoro
Email: faizan.arain@scholars.usindh.edu.pk
ORCid: https://orcid.org/0000-0002-2751-1711
Samina Ghafoor
M.Phil. Scholar, Department of Islamic Studies
National College of Business Administration & Economics, Lahore
Email: zimalaliphd2020@gmail.com
ORCid: https://orcid.org/0000-0003-1509-1710

Abstract
The Jewish civilization has preserved its religious identity and traditions despite suffering for millennia. However, this war against the Greek civilization was unsuccessful since the Greek civilization adopted the characteristics of the Roman civilization. The influence of Greek civilization was so great that even after the Romans defeated them militarily, the Greeks incorporated them into the aesthetic of their own civilization. As slaves in Roman society in the first century AD, Jews were heavily impacted by both the Hellenistic and Roman cultures, and many of them also converted to the Hellenistic religion. Despite embracing the Greek culture that the Romans brought, the Jews fought Roman control for a long time. The Romans suppressed the Jewish uprising and demolished the Temple in Jerusalem, putting an end to the Jews' resistance. In this paper, it has been studied how did the civilizational conflict between the Jews and the Romans continue and how did it end?
Keywords: Jewish, Roman, Greek, Civilization, 1st century

یونانیت زدہ رومی معاشرے کی نظر میں یہودی ایک وحشی قوم تھے۔ فلسطین کے یہودی اس تحریک کا حصہ نہیں تھے جسے آج کل یونانیت کہا جاتا ہے۔ یہ وہ یونانیت نہیں تھی جس کی ابتداء سکندر اعظم (323ق م) کی آمد سے ہوئی اور ایتھنز کی عظیم ترقی یافتہ تہذیب سے جس نے جنم لیا۔ یونانی تہذیب اپنے تہذیبی مقصد پر ایسا ہی یقین اور خود اعتمادی رکھتی تھی جیسا کہ عصر حاضر میں مغربی صنعتی تہذیب میں پایا جاتا ہے۔ حتی کہ مصر جیسی قدیم تہذیبوں کے مرکز میں یونانی تہذیب نے اپنا وجود قائم رکھا اور ناقابل تسخیر ثابت ہوئی۔ مصر میں اسکندریہ اور شام میں انطاکیہ زبردست قسم کے یونانیت زدہ شہر تھے۔ یونانی تہذیب میں سحر انگیزی بہت سی چیزوں کے مجموعے سے آئی۔ نئی عسکری سائنس جو کہ کارتھج اور روم سمیت تمام عسکری طاقتوں سے مستعار لی گئی تھی،[1] یونانی شہر کی شوخ زندگی اس کی شہری مجالس کے ساتھ، اسکی تماشہ گاہیں، اس کے حزن و مزاح کی ترتیب، اسکے ورزش اور پہلوانی کے دنگل اور

اسٹیڈیم، اسکے کتب خانے اور جامعات (یونیورسٹیاں) مختلف اندازوں اور سُروں میں ہیبت ناک شاعری، ڈرامہ، فلاسفی، تاریخ، ر ریاضی اور سائنس میں ان کی شاندار دریافتیں کامیابی کا پھیلتا ہوا سرچشمہ تھیں، حتی کہ باربیئن بادشاہ جن کے مقبوضات یونانی علاقوں سے باہر تھے وہ بھی یونانی تہذیب سے متاثر تھے اور رومیوں کی طرف سے کوئی اعزازی تمغہ پانے یا مختلف دعوتوں میں رومیوں کی طرف سے بلاوا آنے پر باعث فخر محسوس کیا کرتے تھے۔[2]

رومی درحقیقت باربیئن قوم تھی لیکن انہوں نے یونانی تہذیب کو اختیار کیا اور بالآخر اپنی فتوحات کے ذریعے تمام یونانی علاقے پر حکمران بن گئے۔ یہ علاقے ان مقامات کے ساتھ نہ تھے جنہیں سکندر اعظم نے سلطنت میں شامل کیا تھا اور یہ ہندوستان کی مانند وسیع رقبے پر پھیل چکے تھے۔ وہ علاقے جو افریقہ اور یورپ کے مغرب میں تھے، رومیوں نے شامل کیے جبکہ رومیوں کے حکمران بننے سے پہلے ہی مشرقی علاقے فارسی اور غیر یونانی چھین چکے تھے۔ رومی دلی طور پر یونانیت مائل ہو چکے تھے چنانچہ وہ اپنی ناقص تہذیب سے دستبردار ہوئے اور اپنے ادبی مواد کو یونانی طرز پر تشکیل دیا۔ خود کو یونانی پس منظر دینے کی غرض سے انہوں نے اپنا افسانوی مواد بھی تبدیل کر لیا۔ انہوں نے ایک افسانے کو رواج دیا کہ وہ آنیاس کی اولادیں ہیں جو کہ ٹروجنی کے ہیروز میں سے ایک تھا۔ تاہم یہ کہنا درست ہے کہ یہ تمام یونانیت اس قدر گہرائی میں نہیں گئی تھی۔ روشن خیال یونانی ادب، جس کی ترویج انہوں نے خود کی تھی "اور یونانیت کے دکھاوے کی غرض سے رومی ہمیشہ رومی ہی رہے اور ایک ایسی قوم کے طور پر متعارف ہوئے جس کی روح میں جنگ و جبر رچ بس گئی ہو۔ محبت کی دیوی کے بیٹے آنیاس کے خوش اسلوب افسانے کے پیچھے جنگ کے دیوتا کے جڑواں بیٹوں رومولوس اور ریمس کا ایک اور افسانہ بیان کیا گیا جنہیں ایک مادہ بھیڑیے نے دودھ پلایا تھا۔ اس داستان میں شہر روم کی بنیاد خون پر رکھی گئی کیونکہ رومولوس نے ریمس سے جھگڑا کیا اور اسے اس وقت قتل کر دیا جب روم کی بنیاد رکھی جا رہی تھی۔ اسی بنیاد پر کام کے دوران رومولس نے بارہ گِدھوں کی اُڑان کا ایک اچھا خواب دیکھا جو کہ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ روم ایک جنگجو اور طاقت ور قوم ہو گی کیونکہ گِدھ قتل وغارت گردی کے شوقین ہوتے ہیں۔ یہودیہ میں روم کا مطلب گِدھ اور بھیڑیا تھا۔ مجرموں کو صلیب دینے کی سزا کا قیام، تیغ زن لڑائی اور وحشی جانور یونانیت ذدہ معاشروں میں رومی تہذیب کی شراکت ظاہر کرتے تھے۔[3]

تاہم یونان کے جانشین کے طور پر رومی خود کو یہودیوں سے برتر محسوس کرتے تھے اور یہودیوں کو وہ "جنگی" قوم سمجھتے تھے جس نے یونانی طرز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ یہودی یونانیت سے محفوظ تھے لیکن انہوں نے اگر اس کو اختیار بھی کیا تو ان کا مقصد تنقید کے لیے اس کے قریب ہونا تھا تا کہ اپنی مذہبی روایات کی روشنی میں اس کو جانچتے ہوئے اس کو قبول ورد کرنے کا فیصلہ کریں۔ اسکندریہ کے یہودی (جو کہ وہاں کی

آبادی کا ایک بڑا حصہ تھے) بڑی تعداد میں یونانیت مائل ہو چکے تھے۔ وہ یونانی نام رکھتے اور یونانی زبان ہی بولتے تھے وہ یونانی ادب پڑھ اور لکھ بھی سکتے تھے لیکن ان کا مافی الضمیر دراصل یونانی شناخت کو اپنی خود کی یہودی روایات میں شامل کرنے کی کوشش کرنا تھا۔ اسکندریہ کے یہودی فلاسفر "فلو" نے یہودیت اور یونانیت کا ایک ملغوبہ تیار کیا جو کہ بعد ازاں مسیحی کلیساء کے لیے اپنی تھیالوجی بنانے کی کوششوں کے لیے ایک نمونہ بن گیا۔ فلسطین میں یونانیت کو فی الفور مسترد کر دیا گیا تھا کیونکہ یسوع کی پیدائش سے دوہزار سال قبل یونانی حکمران یہودیت کا قلع قمع کرنے اور یونانیت کو طاقت کے زور پر جبر انافذ کرنے کی بھرپور کوشش کر چکے تھے۔ تاہم یہاں (فلسطین میں) یونانیت کو بہت ہی کم اہمیت دی گئی تھی۔ ربائی یونانی سائنس اور ریاضی کا مطالعہ کرتے اور یونانی زبان کی خوبصورتی کی تعریفیں کرتے تھے۔[4]

لیکن یہودیوں کے پاس یونانیوں کے سامنے اس طرح بالکل ہی مغلوب ہو جانے کی کوئی وجہ نہ تھی جیسا کہ روم اور دوسری قوموں نے کرنے کی کوشش کی کیونکہ یہودی ایک معقولی اور تہذیبی روایات کے حامل تھے جس کے بالمقابل یونانی بالکل ہی نووارد تھے۔ عبرانی بائبل فقط ایک کتاب نہ تھی بلکہ ایک مکمل ادب تھا جو کہ تاریخ، افسانوں، سُرانگیز شاعری اور پرجوش نظریات پر مشتمل تھا۔ اگرچہ عبرانی ادب میں ایسی فنی صلاحیتوں کی ترتیب کی قلت ہے جو یونانی ادب میں موجود تھیں مگر اس کے باوجود یونانی ادب اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ یہ عظمت، جامعیت، مقصد کی سنجیدگی اور معاشرتی انصاف کا فقدان تھا۔ دیگر قدیم تہذیبوں (مثال کے طور پر مصر) نے یونانیت کی مزاحمت کی لیکن کوئی بھی مزاحمت میں کامیاب نہ ہو سکا، لیکن یہودی تہذیب دقیانوسی نہیں تھی بلکہ یہ بڑی مضبوط حالت میں اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے تھی۔[5]

جہاں تک رومیوں کا تعلق تھا تو وہ یونانیت کے میدان میں بھی نووارد تھے۔ حالیہ ماضی کی کامیابی، ان کتب خانوں کا کام تھا جن میں ان فاتحین کے نام تھے جنہوں نے یسوع کے وقت میں روم کا نام بلند کیا تھا۔ متوسط درجے کے رومی یہاں تک کہ ان کے امراء بھی ان سب کے متعلق بہت ہی کم جانتے تھے جبکہ یہودیوں میں کسان اور کاریگروں تک کے لیے بائبل ابتدائی تعلیم میں شامل تھی۔ اگرچہ فلسطین کے رومی قابضین کی حالت اس حالت کے برعکس تھی جو انیسویں صدی میں خود کو دنیا کی جدید تہذیب کا جانشین سمجھنے والی مغربی طاقتوں کے داخلے کے وقت چین میں تھے حالانکہ چینی انہیں جاہل قوم سمجھتی تھی۔

یہ فقط یہودی نہیں تھے جو رومیوں کے تہذیبی برتری کے دعوے سے نفرت کرتے تھے بلکہ یونانی بھی اپنے رومی آقاؤں کو غالب سمجھتے تھے لیکن یہودیوں کے برعکس یونانی اپنی عسکری شکست کو حتمی تصور کر کے شکست

خوردہ حالت میں تھے۔ حالانکہ یہ یونانی ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے رومی شہنشاہوں اور دیوی روما کی پرستش بحیثیت خدا سمجھتے ہوئے کی۔ یونانیوں کا رویہ رومیوں کے سامنے خوش آمدانہ تھا جبکہ پس پشت وہ ان سے شدید نفرت کرتے تھے۔ اس کا ایک علامتی واقعہ خود کو بہت بڑا مغنی (Singer)، موسیقار اور شاعر سمجھنے والے شہنشاہ نیرو کے سفر یونان کا واقعہ ہے جہاں اس نے ان فنون سے متعلقہ متعدد مقابلوں میں شرکت کی اور ہر مقابلے میں اس کو ہی فاتح قرار دیا گیا اور اس کی داد و آفرین کی گئی جبکہ اُس وقت یونانی اس کی بھونڈی کارکردگی پر ہنس رہے تھے۔ یہ واقعہ رومیوں اور یونانیوں کے باہمی تعلقات کو ظاہر کرتا ہے۔ رومیوں کی دل سوز خواہش یونانی تہذیب میں شریک ہونا تھا اور یونانیوں کا رومی عسکری طاقت سے مکمل رضامند ہونا منافقانہ معنی رکھتا ہے۔[6]

یہودیوں نے رومیوں کے لیے ایسا رویہ نہیں رکھا کیونکہ وہ مکمل طور پر کبھی بھی ان کے تابع نہیں رہے۔ اپنی شان و عظمت کے باوجود یونانی تہذیب جانثاری کے اسباب کی حامل نہیں تھی اور نہ ہی آزادی کے حصول تک جنگ کرنے کی خواہش پائی جاتی تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ رومی سلطنت کے باسی یونانی یہودیوں سے شدید نفرت کرتے تھے۔ یہود دشمنی کی تاریخی ابتداء یہی حقیقی یونانی تھے جو اس بات سے نالاں تھے کہ یہودیوں نے روم سے اپنی پوشیدہ آزادی کو نہیں کھویا۔ اسکندریہ میں جہاں یونانی یہودیوں سے سخت ترین نفرت کرتے تھے، یہ لوگ یہودیوں پر رومی حکومت کے باغی کی حیثیت سے مسلسل لعنت کرتے اور ان سے بیزار تھے جسکی بڑی وجہ یہودیوں کا رومی شہنشاہ کو خدائی حیثیت کا استحقاق نہ دینا[7]، رومیوں کی طرف سے ہیکل میں زیوس دیوتا کا مجسمہ نصب کرنا اور یروشلم کے ہیکل میں سور کی قربانی کرنا شامل تھا۔[8]

یہودی یونانیت کی توقیر کرتے تھے اگرچہ وہ خود بھی اس کی طرف سے سخت تحفظات رکھتے تھے۔ وہ روم کے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے جسے وہ مکمل طور پر ایک عسکریانہ قوت سمجھتے تھے۔ وہ روم کو یعقوب کے جنگجو بیٹے عیسو کے ساتھ تعبیر کیا کرتے تھے۔ یہودی مذہبی روایات کے متعلق انتہائی امتیازی چیز شاید یہی خصوصیت تھی جو اسے قدیم دنیا سے منفرد بناتی تھی کہ یہ جنگ کی تعظیم کے متعلق مواد نہیں رکھتی تھیں۔ (نازیوں کی طرح) رومی یہ سمجھتے تھے کہ جنگ کرنا دراصل نیکی کو پالنا ہے۔ یہودی کئی مواقع پر اپنی آزادی کے لیے نہایت دلیری سے لڑے لیکن وہ جنگ کو بالکل ایک شیطان کی مانند سمجھتے تھے۔ ان کے ہیروز جنگجوؤں کے بجائے فقہاء اور انبیاء تھے مگر داؤد بادشاہ اس سے مستثنٰی تھے لیکن جنگجو آدمی ہونے کی انہیں ہیکل بنانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ان کے فرزند سلیمان المسیح اور آئیڈیل بادشاہ ہونے کا نمونہ تھے اور ایسا نام رکھتے تھے جس کا معنی ہی "سلامتی" ہے، ان کی حکومت بھی ایسے

شہر "یروشلم" پر تھی جس کا معنی "سلامتی کا شہر" تھا۔ اسی لیے رومیوں کا جنگ کی تعظیم کرنا ایک چونکا دینے والی چیز تھی۔

یہودیوں کے پاس یہ سوچنے کے لیے کوئی وجہ نہیں تھی کہ رومی انہیں معاشرے کے نفع کے لیے لا رہے تھے جس کے لیے انہیں عظیم ہونا چاہیے۔ ابھی تک رومی یونانی تہذیب اپنا رہے تھے جبکہ یہودی تین سو سال قبل سکندر اعظم کے زمانے سے ہی اس کا تجربہ رکھتے تھے اور وہ اس میں اُتنا ہی رنگ چکے تھے جتنا کہ رومی ابھی چاہ رہے تھے۔ رومی جو کہ سیاسی منتظم تھے، اس قابل تھے کہ قانون پر درآمد کا ایک نظام مقرر کر سکتے تھے جبکہ یہودیوں کو اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ اپنی خود کی حکومتی روایت رکھتے تھے۔ وہ تہذیب یافتہ رہے تھے جبکہ روم اس وقت تک فقط ڈاکوؤں کا ایک جتھہ تھے۔ ان کے پاس اپنے خود کے ادارے موجود تھے اور اپنا تعزیزی قانون تھا جس میں انسانیت اور حقیقی تہذیب تھی اور یہ سب روم سے بہت زیادہ برتری تھی۔ ذلت آمیز غلامی، طفل کشی، انسانی قربانی، عدالتی تعذیب، جانوروں کے ساتھ بے رحمی، یہ سب ایسے اقدامات تھے جس کے باعث رومی تہذیب کا حلیہ بگڑ چکا تھا اور اسے یہودی معاشرے سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔[9]

اسی لیے وہ مؤرخین جو گلہ کرتے ہیں کہ یہودیوں کو رومی حکمران کے تحت شورشی انداز میں بے چین نہیں ہونا چاہیے اور دیگر اقوام کی طرح خود کو ان میں شامل کر لینا چاہیے تاکہ رومیوں کی عنایتوں کا مزہ اٹھا سکیں، ایسے لوگ حقیقت سے دور ہیں۔ رومیوں کا زمانہ امن کوئی احسان مندی نہ تھا جس نے دیگر قوموں کو رومیوں کا پجاری بنوا دیا تھا، ایسا فقط رومیوں کے خوف کی بدولت ہی ممکن ہوا تھا۔ یہودی ایسی کامیابی کے پجاری نہ تھے بلکہ وہ اپنی تہذیب کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ یسوع کے وقت میں رومی سلطنت اپنے قزاقی کے دور سے گزر کر ظاہر ہو رہی تھی۔ اگسٹس حکومت کے قیام کے لیے پہلی تحریک شروع کر چکا تھا ۔ انتونی اور قلوپطرہ پر فتح پانے کے بعد اگسٹس بذات خود مصر کا سارا شاہی خزانہ لوٹ کر لے گیا تھا۔ اس کامیاب ڈاکہ زنی میں رومیو ں نے یونانیوں، شامیوں، مصریوں سے وسیع پیمانے پر سونا، چاندی، جواہرات اور جواہر پارے لوٹے۔ بعد ازاں اینٹی نینس اور فلووین سلطنت میں جب خزانے کے باقی ماندہ ڈھیر کو روم منتقل کیا گیا تو رومی حکومت واحد حکومتی طاقت بن گئی لیکن یسوع کے دور تک رومی اپنی عسکری قوت کے بل پر لوٹ کھسوٹ کرنے کے لالچی اور بھوکے تھے۔ اس نقطہ پر بھی زور دینا چاہیے کہ رومی سلطنت کے خوشحال علاقے مشرق میں تھے جہاں دولت کے کثیر انبار موجود تھے۔ روم کے لیے اس وقت مشرق ایک سونے کی چڑیا تھا جس کی دولت کو جوانمردی اور سنگ دلی کے ساتھ ہتھیایا جا سکتا تھا۔

ہمیں اس وقت کے روم کو مرقس اولیاس کی تصویر کے بجائے ان ہسپانوی فاتحین کی تصویر میں دیکھنا چاہیے جنہوں نے امریکا کو لوٹا تھا۔[10]

بہرحال اگر کوئی اس خیال کو مسترد کرتا ہے کہ رومی تہذیب برتر تھی، تو یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ یہودی خود کو رومی طاقت سے آزاد کرنے کا خواب دینے میں حقیقت سے دور تھے۔ اس الزام کی بہت سی وجوہات ہیں۔ فلسطین ایک چھوٹا سا علاقہ تھا اور یہودی نہایت ہی کمزور حالت میں تھے۔ وہ دنیا کی بہترین پیشہ ور فوج، رومی فوج کے خلاف مزاحمت کرنے کی امید کیسے رکھ سکتے تھے جن کی چار سو سالہ جنگی روایات کی تاریخ دیکھتے ہوئے بہادری کا لوہا دنیا مان چکی تھی؟ مزید یہ کہ فلسطین دفاعی اعتبار سے روم کے لیے انتہائی اہم تھا کیونکہ یہ مصر کی زرخیز زمین کے پہنچنے کے لیے ایک راہداری تھا۔ چنانچہ یہ نہایت ضروری تھا کہ فلسطین کو مشرق میں روم کے بدترین دشمن "فارسیوں" کے ہاتھوں میں نہیں جانا چاہیے تھا جنہوں نے یسوع کی پیدائش سے چالیس سال پہلے سے فلسطین پر قبضہ کر رکھا تھا اور وہ اکثر اس علاقے پر دوبارہ قبضہ کرنے کی دھمکی دیتے رہتے تھے۔

وہ تمام اقوام جن کو رومیوں نے تاراج کیا تھا، ان میں سے فقط یہودیوں نے ہی کیوں مزاحمت کی تحریک چلائی جس سیاسی آزادی کے حصول کے لیے تقریبا دو سو سال تک جدوجہد کرتی رہی؟ یہودیوں نے خود کو کیوں دو نہایت خون ریز جنگوں میں رومیوں کے بالمقابل رکھا جبکہ انہوں نے ہولناک شکست کھائی؟ یہ واقعات مؤرخین نے رومی تہذیب کے فائدے کے لیے خیانت کرتے ہوئے نظر انداز کر دیئے اور اب یہ کسی قسم کی توجہ کا استحقاق بھی نہیں رکھتے۔

یہودیت کے تاریخی منظر نامے پر رومیوں کی آمد

یہودیوں نے ارض مقدس فلسطین پر رومیوں کی آمد کو اس پاک سرزمین کی بے حرمتی سے تعبیر کیا تھا کیونکہ یونانیوں کے بعد رومی مشرکوں کا یہودیوں پر مسلط ہو جانا، بنی اسرائیل کی ہزار سالہ تاریخ کے ساتھ استہزا تھا کیونکہ یہودی یہ سمجھتے تھے کہ مصریوں کی غلامی سے آزادی ملنے کے بعد سے ان کی تاریخ کا آغاز ہوا ہے لہٰذا انہوں نے اب ہمیشہ آزاد ہی رہنا ہے۔ یہودی یہ سمجھتے تھے کہ رومیوں کا فلسطین پر قابض ہو جانا نہ صرف یہودیوں کی تاریخ کے خلاف ہے بلکہ خداوند کی منشا کے بھی سراسر خلاف ہے کیونکہ خدا نہیں چاہتا کہ اس کے لوگ غلام رہیں۔ یہی وجہ تھی کہ خدا نے یہودیوں کو پہلے مصریوں کی اور پھر بابلیوں کی قید سے رہائی عطا کی تھی۔ یہودیوں کی یہی سوچ ان میں مزاحمتی قوت بیدار کرنے کا سبب بنی اور انہوں نے رومیوں کو اس پاک اور مقدس سرزمین سے بے دخل کرنے کے لیے ٹھوس اور سنجیدہ اقدامات کرنے شروع کر دیئے۔[11]

یہودیوں کا رومیوں سے سیاسی واسطہ پہلی بار یہوداہ مکابی کے دور میں پڑا جب یونانیوں کے ہاتھوں ہزیمت کا سامنا کرنے کے بعد یہوداہ مکابی کو معلوم ہوا کہ رومی بہت مہربان قوم ہیں اور جو بھی ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے یہ اس کے ساتھ رفاقت قائم کرتے اور اس کی تکریم کرتے ہیں۔[12] چنانچہ یہوداہ مکابی نے رومیوں کے ساتھ مراسم بڑھانے کے لیے پہلے پہل اپنا وفد روم بھیجا اور اس کے بعد فی الفور رومیوں کے ساتھ معاہدہ بھی کر لیا کہ اگر جنگ ہوتی ہے تو دونوں میں سے ہر فریق ایک دوسرے کی عسکری مدد کرنے کا قانوناً پابند ہوگا۔ چنانچہ رومیوں اور یہودیوں کے درمیان تعلق تو قائم ہو گیا مگر یہ تعلق دراصل فلسطین کی سرزمین پر رومی غلامی کی پہلی اینٹ تھی۔ اگرچہ یہودیوں نے رومیوں سے تعلقات محض اس وجہ سے استوار کیے تھے کہ وہ اس طرح خود کو یونانیوں کے غلبے اور تسلط سے آزاد کروالیں گے مگر رومیوں کے ساتھ تعلقات ان کے لیے سودمند کے بجائے سخت مضر ثابت ہوئے اور یہودی قوم کو رومیوں کے ہاتھوں وہ نقصان عظیم اٹھانا پڑا جس کا سامنا انہیں اشوریوں اور بابلیوں کے بالمقابل بھی نہیں ہوا تھا۔[13]

یہودیوں سے معاہدہ کرنے کے باوجود رومیوں نے یونانیوں کے بالمقابل ان کی کوئی مدد نہیں کی یہاں تک کہ جب یونانیوں نے یہودیوں پر حملہ کر دیا تو یہودی بادشاہ یوحنا ہرکانس نے رومیوں سے عسکری معاونت کی درخواست کی[14] مگر رومیوں نے یہودیوں کو تسلی اور دلاسے دینے کے سوا ان کی کوئی مدد نہیں کی۔[15] رومیوں کی اس روش کے باوجود یہودی یہ سمجھتے رہے کہ رومی ان کے خیر خواہ ہیں اور وقت پڑنے پر ان کی مدد کر سکتے ہیں۔[16]

یہودی اور رومیوں کے یہ سیاسی تعلقات ایک طویل عرصہ تک جاری رہے یہاں تک کہ یہوداہ مکابی کی قائم کردہ یہودی حکومت کمزور ہوئی تو رومیوں نے تمام معاہدوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فلسطین پر حملہ کر دیا۔ یہودی بادشاہ ارسطوبولس نے رومیوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے ہتھیار تو ڈال دیئے مگر دینی حمیت و غیرت کی وجہ سے وہ اس بات پر راضی نہ تھا کہ یروشلم جیسے مقدس شہر کو مشرک رومیوں کے حوالے کر دیا جائے مگر اس کے سیاسی مخالفین نے اس سے غداری کرتے ہوئے رومیوں کا ساتھ دیا اور ان کے لیے یروشلم کے سارے دروازے کھول ڈالے چنانچہ رومی فوجیں شہر میں داخل ہو گئیں۔ یہودی بادشاہ ارسطوبولس نے ہیکل کی عمارت میں پناہ لے لی تو رومیوں نے عمارت کا محاصرہ کر لیا۔ تین مہینے تک محاصرہ جاری رہا حتی کہ ارسطوبولس اور اس کے ساتھیوں نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ محاصرے کے آخر میں زبردست خون ریزی ہوئی اور بارہ ہزار سے زیادہ یہودیوں کو رومیوں نے بے دردی سے قتل کر دیا۔ ان مقتولین میں یہودیوں کے مذہبی پیشواؤں کی بھی بڑی تعداد شامل تھی جنہوں نے رومیوں کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور بالآخر ہیکل کی قربان گاہ پر قتل کر دیئے گئے۔[17]

یروشلم فتح کرنے کے بعد رومیوں نے یہودیوں پر بے پناہ ٹیکس لگا دیئے اور رومیوں کے خلاف مزاحمت کرنے والے یہودیوں کو چن چن کر قتل کیا۔ جس وقت رومی جرنیل پومپائی یروشلم آیا تو اس نے معزول یہودی بادشاہ ارسطوبولس کے ساتھ نہایت ذلت آمیز سلوک کیا جب کہ ہزاروں یہودیوں کو غلام بنا کر اپنے ساتھ روم لے گیا۔[18]

یہودیوں کی اس رسوائی کی وجہ خود یروشلم کے باشندے تھے جنہوں نے بادشاہ کی مخالفت میں رومیوں کے لیے دروازے کھول دیئے تھے مگر یہودیوں نے سب سے پہلے انہی کو تہ تیغ کیا۔ دوسری طرف یروشلم جیسے مقدس شہر کی حرمت پامال کرنے کی وجہ سے یہودی جنرل پومپائے سے سخت نالاں تھے اور کسی طرح اس کی جان لینے کے درپے تھے چنانچہ ۴۸ قبل مسیح میں جنرل پومپائی کو قتل کر دیا گیا۔ یہودیوں نے اس کے قتل کو آسمانی سزا قرار دیا کیونکہ اس نے خدا کے شہر اور ہیکل کو ناپاک کیا تھا جس کی خدا نے اسے سزا دی۔[19]

رومیوں کے متعلق یہودیوں کی رائے کا تقابل بائبل کے صحیفے میں مندرج عبارت سے ہو سکتا ہے جس کا تعلق اشوری قوم سے ہے۔ اس صحیفے کے مطابق خداوند ظالموں کو اپنے قہر کے عصا کے ذریعے ان کی زیادتیوں کی سزا دے گا۔ بحیرہ مردار کے صحائف میں رومیوں کا تذکرہ کلدانیوں کا نام لے کر کیا گیا ہے جو کہ نہایت لڑاکا اور سخت جان قسم کے لوگ تھے۔ صحائف قمران میں ملنے والے حبقوق کی کتاب کے تفسیری صحیفے میں رومیوں کی صفت بیان کی گئی ہے کہ ان کا دبدبہ اور رعب تمام قوم پر تھا مگر ان کے اخلاقی کردار کے متعلق اس صحیفے سے کوئی معلومات نہیں ملتی ہے۔ یہ صحیفہ مزید بتاتا ہے کہ یہ قوم برے خیالات رکھتی ہے اور دوسری قوموں کے ساتھ معاملات میں چالاکی اور خیانت کرتی ہے۔ اس قوم کے تمام افراد تشدد پسند ہیں اور یہ تمام قوموں کو ایک عقاب کی مانند نگل جاتے ہیں۔ اس قوم کی اتنی تباہ کن صفات کے باوجود خداوند یہ نہیں چاہتا کہ یہودیوں کو اس قوم کے ذریعے ہلاک کروائے کیونکہ یہودی اس کی پسندیدہ قوم ہے مگر خداوند اتنا ضرور کرے گا کہ ان لوگوں کے منتخب افراد سے سارے فیصلے صادر کروائے گا۔[20]

رومیوں کے قابض ہو جانے کے باوجود یہودیوں کے لیے ان کا اقتدار قبول کرنا بہت مشکل تھا کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ غیر یہودی بادشاہت کو تسلیم کرنا اس سرزمین پر خدا کی بادشاہت کے قیام کی مخالفت کرنا ہے۔ اس کے باوجود تورات میں ایسے احکام موجود تھے جس کے مطابق یہودیوں نے غیر یہودیوں کی حکومت کو تسلیم کیا تھا۔ بنی اسرائیل کے نبی حضرت یرمیاہؑ نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ بخت نصر بادشاہ کو خداوند نے حکومت عطا کی ہے لہٰذا لوگ

اس کی لازمی پیروی کریں۔[21] اس کے باوجود یہودی رومیوں کی حکومت کو غلامی سے تعبیر کرتے تھے اور اسے قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔

یہودیوں کا رومی غلامی سے انکار انہیں عسکریت پسندانہ سوچ کی طرف لے گئے اور جب رومیوں نے یہودیوں پر ناجائز اور ظالمانہ ٹیکس لگانے شروع کیے تو کچھ یہودیوں نے رومیوں کے خلاف مزاحمتی کاروائیاں شروع کر دیں جن کا دائرہ آہستہ آہستہ پورے فلسطین تک پھیل گیا۔ ۶ء میں جب رومیوں نے یہودی ہیکل کے خزانے پر بھی ٹیکس لگادیا تو یہودیوں کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور یہوداہ گلیلی نامی ایک یہودی عالم نے یہودیوں کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے اعلان جنگ کر دیا۔ ہزاروں حریت پسند یہودیوں نے یہوداہ گلیلی کا ساتھ دیا اور رومیوں کے خلاف کئی دہائیوں تک بر سر پیکار رہے۔[22] دوسری طرف رومیوں نے ایسی بغاوتوں کو کچلنے میں کوئی تامل نہیں کیا اور بلا دریغ یہودی عسکریت پسندوں کو صلیب پر چڑھا کر اذیتیں دے دے کر قتل کیا تا کہ وہ دیگر یہودیوں کے لیے بھی نمونہ عبرت بن سکیں۔[23]

یہودی بغاوتوں کے اس طویل سلسلے کا اختتام ۶۶ء میں شروع ہونے والی آخری یہودی بغاوت سے ہوا جس کا انجام ۷۰ء میں یہودیت کے مرکز ہیکل یروشلم کی تباہی پر ہوا۔ اس کے بعد یہودیوں کی مرکزیت ختم ہو گئی اور رومیوں نے جی بھر کر فلسطین کے یہودیوں کو قتل کیا اور شہر یروشلم کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا۔[24]

حواشی و حوالہ جات

[1] Jorg Rupke, ed., *A Companion to Roman Religion* (USA: Blackwell Publishing, 2000), 3.
[2] Hyam Maccoby, *Revolution in Judaea Jesus and the Jewish Resistance* (New York: Taplinger Publishing Co, 1973), 48.
[3] Maccoby, 48–49.
[4] Rupke, *A Companion to Roman Religion*, 346.
[5] Jacob Neusner, *Judaism When Christianity Began: A Survey of Belief and Practice* (London: Westminister John Knox Press, 2002), 9–10.
[6] Maccoby, *Revolution in Judaea Jesus and the Jewish Resistance*, 50.
[7] کتاب مقدس مطالعاتی اشاعت (لاہور: پاکستان بائبل سوسائٹی، 2012)، ص۲۰۱۸۔
[8] *The NIV Study Bible* (London: Hodder & Stoughton, 2000), 1402.
[9] Maccoby, *Revolution in Judaea Jesus and the Jewish Resistance*, 52.
[10] Maccoby, 53.
[11] محمد فرمان عرفان، قدیم یہودی فرقوں کی تاریخ (کراچی: ادارہ تحقیقات، 2021)، ص۷۱.
[12] کلام مقدس، اشاعت نہم (کیتھولک بائبل کمیشن پاکستان، 2007)، ۱-مکابیین ۸:۲-۱.
[13] عرفان، قدیم یہودی فرقوں کی تاریخ، ص۷۲.

[14] Edith Mary Smallwood, *The Jews under Roman Rule* (Leiden: Brill, 1976), 10.
[15] Erich Gruen, *The Hellenistic World and the Coming of Rome* (Berkeley: University of California, 1984), 746–47.

[16] کلام مقدس ،۱-مکابیین۸:۱۲.

[17] John J. (John Joseph) Collins, "Jewish Cult and Hellenistic Culture : Essays on the Jewish Encounter with Hellenism and Roman Rule" (Brill, 2005), 203–4.
[18] Flavius Josephus, *Antiquities of the Jews*, 94AD 14:1-79.

[19] عرفان، قدیم یہودی فرقوں کی تاریخ ،ص۷۵.

[20] Collins, "Jewish Cult and Hellenistic Culture : Essays on the Jewish Encounter with Hellenism and Roman Rule," 204.

[21] کتاب مقدس مطالعاتی اشاعت، یرمیاہ۲۷:۶-۱۱

[22] *Jewish Encyclopedia* (Jewish Encyclopedia), accessed April 22, 2019,

[23] عرفان، قدیم یہودی فرقوں کی تاریخ ،ص۳۹۷.

[24] RIchard A. Horsley and John S. Hanson, *Bandits, Prophets & Massiahs: Popular Movements in the Time of Jesus* (New York: Winston Press, 1985), 198.